خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

خلیفۂ دوم



سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ



اشفاق احمد خاں

دارالسلام
DARUSSALAM

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

خلیفۂ دوم

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ



اشفاق احمد خاں

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور

DARUSSALAM

ح مكتبة دار السلام، ١٤٢٥ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
خان، اشفاق احمد
عمر الفاروق رضي الله عنه. / اشفاق أحمد خان - الرياض، ١٤٢٥ هـ
ص: ٤٨ مقاس: ١٧×٢٤سم
ردمك: ٠-٠١-٧٣٢-٩٩٦٠
(النص باللغة الاردية)
١- عمر بن الخطاب بن، أ-العنوان
ديوي ٢٣٩،٩ ١٤٢٥/٥٦٣٧
رقم الإيداع: ١٤٢٥/٥٦٣٧
ردمك: ٠-٠١-٧٣٢-٩٩٦٠

نام کتاب: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ — مصنف: اشفاق احمد خاں

منتظم اعلیٰ: عبدالمالک مجاہد

مجلس انتظامیہ: حافظ عبدالعظیم اسد (مینیجر دارالسلام لاہور) محمد طارق شاہد (انچارج شعبہ ادب الاطفال والشباب)
مجلس مشاورت: ڈاکٹر محمد فتح کھوکھر اشتیاق احمد عرفان جمیل
اشفاق احمد خاں محمد امین ثاقب قاری طارق جاوید
ڈرائنگ اینڈ السٹریشن: زاہد سلیم چودھری (آرٹ ڈائریکٹر)
معاونین: میاں خالد محمود عمر فاروق احسن محمود حافظ عمران خان اکرام الحق

سعودی عرب (ہیڈ آفس)
پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب
فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
Website: http://www.dar-us-salam.com E-mail: riyadh@dar-us-salam.com
1 طریق مکہ۔ العلیا۔ الریاض فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 — 3 جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270
2 شارع الاربعین۔ السلز۔ الریاض فون: 4735220 فیکس: 4735221 — 4 الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551

شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624 لندن فون: 5202666 208 0044 فیکس: 208 5217645
امریکہ 1 ہیوسٹن فون: 7220419 713 001 فیکس: 7220431 2 نیویارک فون: 6255925 718 001 فیکس: 6251511

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)
1 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور فون: 0092 42 7240024-7232400-7111023-7110081 فیکس: 7354072
website: www.darussalampk.com e-mail: info@darussalampk.com
2 غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703 3 موں مارکیٹ اقبال ٹاؤن، لاہور فون: 7846714

پیش لفظ

ریگستان پیاس اور سختی کی علامت ہوتا ہے۔ پہاڑ اور چٹانیں بلندی، عظمت اور شان وشوکت کا اظہار کرتی ہیں۔ ریگستانی اور پہاڑی علاقوں کی آغوش میں پلنے والوں کی ذات میں بھی یہ سختی اور بلندی، فطرتی طور پر شامل ہو جاتی ہے۔

وہ ایسے ہی تھے، سخت مزاج، جفاکش .... والد کی سختی اور کڑی نگرانی نے اُنھیں اپنے علاقے کا سب سے بڑا بہادر بنا دیا، انھوں نے تلوار چلانے میں مہارت حاصل کی۔ گھڑ سواری میں کمال تک پہنچے اور فن سپہ گری میں ایک نام پایا۔ کُشتی کے فن میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ چوٹی کے پہلوان ان کے ہاتھوں شکست کی ذلت اُٹھا چکے تھے۔ اس دور کے چند پڑھے لکھے افراد میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ فصاحت و بلاغت میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ ان کی بات، ان کے الفاظ لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیتے تھے۔

جب دعوتِ حق اُن کے کانوں تک پہنچی تو انھوں نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح ڈٹ کر اس کی مخالفت کی۔ لیکن محبت کی طرح نفرت میں بھی ایک رشتہ اور تعلق ہوتا ہے چنانچہ مخالفت نے بھی ان کا تعلق اس ذات سے جوڑ دیا جو حق کی روشنی بانٹ رہے تھے۔ آزمائش اور کشمکش کا یہ دور زیادہ طویل نہیں تھا۔ خود ان کا دل گواہی دینے لگا تھا کہ وہ سچے ہیں۔ وہ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ چنانچہ انھوں نے اس دعوت اور پکار پر لبیک کہہ دیا۔

خطے کے سب سے بہادر آدمی نے سچائی کا راستہ اختیار کیا .... جرأت اور عظمت کی ایک نئی داستان نے جنم لیا۔ اپنے سچ اور حق کو چھپانے والے، سرِعام سب

کے سامنے توحید کا اقرار کرنے لگے۔ اُن کی شخصیت نے کمزوروں کو طاقتور کر دیا، اور سچائی کا پیغام تیزی سے پھیلنے لگا۔ مخالفوں کے غرور کے بت ان کے سامنے پاش پاش ہونے لگے اور بالآخر حق نے نہ صرف اُس خطے بلکہ اردگرد کے علاقوں پر بھی غلبہ پالیا۔

وہ زہد و تقویٰ میں بے مثال تھے۔ حکمت و دانائی ان کا وصف تھی۔ جب ان پر امارت کا بوجھ پڑا تو انھوں نے بڑے احسن طریقے سے اس ذمہ داری کو نبھایا۔ ان کے دور میں سلطنت کی حدود دور دور تک پھیل گئیں اور انھوں نے سلطنت کا انتظام بہت جدید پیمانے پر کیا۔ وہ رعایا پر بہت شفیق اور مہربان تھے۔ غریبوں اور ناداروں کی مدد کے لیے انھوں نے بیت المال قائم کیا۔ اپنے پورے دور میں انھوں نے دنیا کو عدل و انصاف کا بہترین نمونہ دکھایا۔ ملک میں رفاہِ عامہ کے بے شمار کام کیے۔

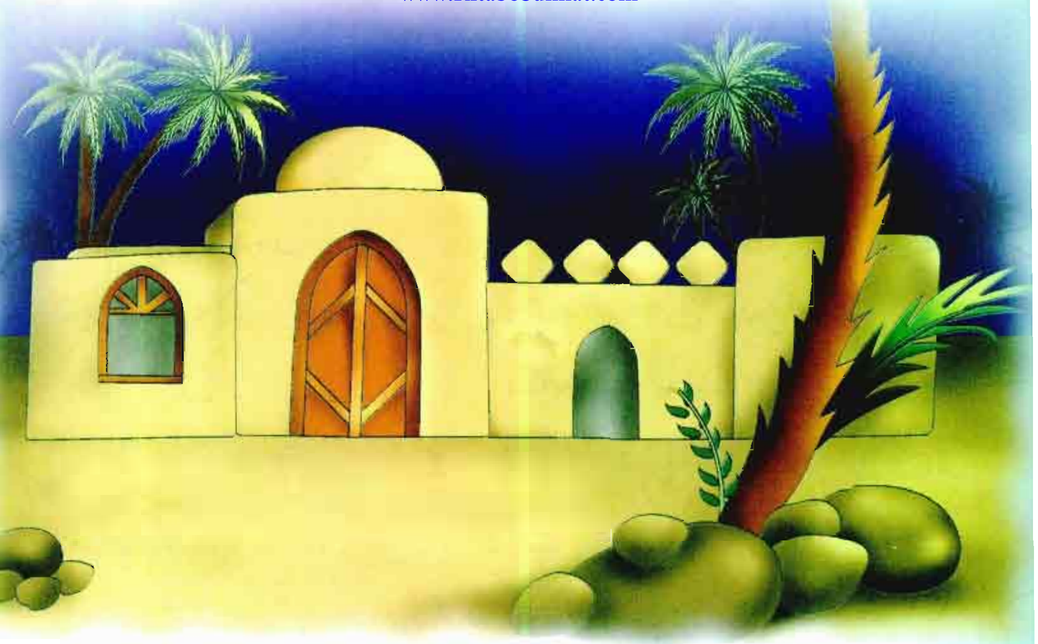
انھوں نے اصلاحات کے حوالے سے نئے نئے رجحانات قائم کیے۔ ایسے رجحانات جن کی آج تک پیروی کی جاتی ہے۔ اور اسی بنا پر انھیں رجحان ساز شخصیت قرار دیا جاتا ہے۔

یہ کتاب ان کی شخصیت، کردار اور اندازِ حکمرانی کی بہترین تصویر پیش کرتی ہے۔

پڑھیے.......... خلوصِ دل کے ساتھ.......... کہ خلوص زندگیاں بدل دیتا ہے۔

والسلام

عبدالمالک مجاہد



رات گہری ہو چلی تھی۔ چاروں طرف تاریکی اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سردی کا موسم تھا۔ لوگ اپنے اپنے بستروں میں دبکے نیند کے مزے لوٹ رہے تھے گلیاں اور بازار یوں سنسان پڑے تھے، جیسے وہاں سے کبھی کسی انسان کا گزر ہی نہ ہوا ہو۔ ایسے میں اچانک دو سائے نمودار ہوئے۔ وہ تیز رفتاری سے چل رہے تھے لیکن چلتے ہوئے بھی وہ اپنے گردوپیش کے ماحول سے بے نیاز نہیں تھے۔ وہ بہت دھیان اور غور سے کچھ سننے اور دیکھنے کی کوشش میں تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے انھیں کسی خاص چیز کو سننے یا دیکھنے کی خواہش ہے۔

چلتے چلتے وہ دونوں اچانک رُک گئے۔ اُنھیں آبادی سے کچھ دور آگ کی روشنی نظر آئی۔

''لگتا ہے سردی اور رات کی وجہ سے یہاں کوئی قافلہ ٹھہرا ہوا ہے۔'' اُن میں سے ایک نے کہا۔

''جی میرے آقا، شاید یہ قافلہ ہی ہے۔'' دوسرے سائے نے جو کہ خادم تھا ادب کے ساتھ جواب دیا۔

تب آقا نے کہا ''چلو میرے ساتھ! شاید قافلے والوں کو ہماری مدد کی ضرورت ہو۔''

دونوں تقریباً بھاگتے ہوئے وہاں پہنچے، لیکن وہاں منظر ہی کچھ اور تھا۔ نہ قافلہ تھا اور نہ قافلے کا کچھ سامان۔ ایک عورت اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ آگ پر ایک ہنڈیا رکھی ہوئی تھی، جب کہ بچے بلک بلک کر رو رہے تھے۔

آقا نے بڑے نرم اور احترام آمیز لہجے میں کہا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ!''

اُس عورت نے جواب دیا ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!''

آقا نے پوچھا: ''معزز خاتون! کیا بات ہے؟''

عورت نے جواب دیا ''رات اور سردی نے آن گھیرا ہے۔''

عورت کے اس جواب سے ان کا دل مطمئن نہ ہوا، پھر دریافت کیا ''یہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟''



عورت نے قدرے ہچکچا کر بتایا

''بھوک کی وجہ سے رو رہے ہیں۔''

بھوک کی وجہ سے رو رہے ہیں؟

''تو پھر ہنڈیا میں جو کچھ ہے، انھیں کھلا دو۔''

آقا نے کہا۔

عورت بولی: ''ہنڈیا میں تو محض پانی ہے، میں تو ان کو اسی طرح دلاسا دے کر چپ کروانے کی کوشش کر رہی ہوں تا کہ تھک کر یہ خود ہی سو جائیں۔''

آقا کا دل یہ سن کر دھک سے رہ گیا۔ بچوں کے آنسو اُن کے دل میں چھید کیے جا رہے تھے۔ وہ اپنے خادم سے بولے:

''میرے ساتھ چلو!'' وہ دونوں دوڑتے ہوئے وہاں پہنچے جہاں آٹا اور کھانے پینے کا دوسرا سامان ذخیرہ کیا ہوا تھا۔ آقا نے آٹے کی ایک بوری نکالی اور کچھ چربی اور گوشت نکال کر خادم سے کہا:

''یہ سب مجھے اُٹھوا دو!''

خادم نے حیرانی سے آقا کی طرف دیکھا۔ اُس کے ہوتے ہوئے آقا بوجھ اُٹھائیں، بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ اُس نے کہا:

''آقا، یہ میں اُٹھا لیتا ہوں۔''

آقا نے فرمایا: ''نہیں، بالکل نہیں! کیا قیامت کے روز میرے گناہوں کا بوجھ تم اُٹھاؤ گے؟''

اتنا سنتے ہی خادم نے حکم کی تعمیل کی اور سامان آقا کے کندھوں پر رکھ دیا۔ اس کے بعد دونوں پھر تیز تیز قدموں سے چلنے لگے۔ جب وہ یہ سامان لیے اُس عورت کے پاس پہنچے تو عورت شدید حیران ہوئی۔ اُس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ رات کے اس پہر، اتنی سردی میں کوئی اُن کے ایسے بھی کام آ سکتا ہے۔ آقا نے اپنے کندھوں سے سامان اُتارا اور کہا:

''تم آٹا گوندھو! میں آگ کو دوبارہ جلانے کا انتظام کرتا ہوں۔'' ان کی نظریں بجھتی ہوئی آگ پر تھیں۔

ہنڈیا کے نیچے لکڑیاں رکھ کر وہ اپنے منہ سے پھونکیں مارنے لگے۔ دھواں اُن کی آنکھوں میں گھس رہا تھا، لیکن وہ آگ جلانے میں لگے رہے۔ غرض آقا نے کھانا تیار کرنے میں اُس عورت کی پوری طرح مدد کی۔ کھانا پکنے کے بعد بچوں نے سیر ہو کر



کھایا۔ کھانے کا باقی سامان ان کے پاس چھوڑ کر وہ دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ تب اُس عورت نے کہا:

''جزاک اللہ خیرًا ، امیر المومنین سے زیادہ تم امارت کے مستحق ہو۔''

آقا نے کہا: ''تم جب امیر المومنین کے پاس آؤ گی تو میں ان شاء اللہ وہاں

ہی ہوں گا۔''

اتنا کہہ کر آقا اپنے خادم کے ساتھ وہیں کچھ دور بیٹھ گئے۔ خادم نے کہا:

''آقا، یہ آپ کی شان نہیں۔'' یعنی یوں زمین پر اس طرح بیٹھ کر ان کو دیکھنا مناسب نہیں۔

لیکن آقا نے کوئی جواب نہ دیا۔ چنانچہ خادم بھی خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا۔ بچے کھانا کھانے کے بعد اب شرارتیں کر رہے تھے۔ یوں ہی ہنستے کھیلتے وہ نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

تب آقا نے اپنے خادم سے کہا: ''تمھیں پتا ہے میں نے ایسا کیوں کیا ہے؟'' یعنی میں یہاں کیوں بیٹھ گیا تھا۔

اُس نے نفی میں سر ہلا کر کہا: ''نہیں میرے آقا؟''

آقا نے کہا: ''میں نے اُن بچوں کو روتے ہوئے دیکھا تھا، مجھے اچھا نہیں لگا کہ میں اُنھیں ہنستے ہوئے دیکھنے سے پہلے چلا جاؤں، جب وہ ہنسنے لگے تو میری طبیعت خوش ہوگئی۔''

اتنا کہہ کر وہ خادم کو لیے واپسی کے راستے پر چل پڑے۔

آپ اس واقعے سے یقیناً یہ اندازہ لگا چکے ہوں گے کہ یہ آقا اور خادم کون تھے؟ جی ہاں! یہ خلیفۂ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ان کے خادم اسلم تھے، جو رات کو لوگوں کے حالات جاننے کے لیے گشت پر نکلے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ''واقعۂ فیل'' کے تیرہ سال بعد 583ء کو مکہ میں پیدا ہوئے۔ والدین نے عمر نام رکھا تھا۔ کنیت ابوحفص تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ قبیلۂ قریش کی مکے پر سرداری تھی۔ یہ قبیلہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھا۔ آگے چل کر قریش کے دس قبیلے بن گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق قبیلہ بنو ہاشم سے تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بنوعدی سے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت، جاہلیت کے دور میں بھی بڑی ممتاز تھی۔ قریش کے معزز ترین لوگوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ قریش کے دس قبائل میں سے ہر ایک کے ذمے الگ الگ کام تھے۔ مثلاً کوئی خانہ کعبہ کی دیکھ بھال کرتا تھا، کوئی حاجیوں کو پانی پلاتا تھا اور کوئی جھگڑوں کے فیصلے کرتا تھا۔ بنوعدی کے ذمے دو کام تھے۔ قریش کی اندرونی لڑائیاں ہوں یا باہر کسی قوم کے ساتھ کوئی معاملہ، سفارت کی ذمہ داری بنوعدی ہی کے سپرد کی جاتی تھی اور بنوعدی کے سردار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے والد خطاب تھے۔

خطۂ عرب، جاہلیت کے جس دور سے گزر رہا تھا، اُس میں لڑائی جھگڑے اور جنگیں معمول کی بات تھیں۔ ایسے ماحول میں جس خاندان میں کوئی بہادر پیدا ہوتا تھا وہ اس کے لیے فخر کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ اگر کسی قوم کا کوئی جوان قریش کو للکارتا تھا تو اُس کا جواب دینے کے لیے قریش کی نظر جس پر ٹکتی تھی وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ کے والد نے آپ کی تربیت ہی ایسے کڑے اصولوں پر کی تھی کہ سختی اور شدت آپ کی طبیعت کا حصہ بن گئی تھی۔



سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ابھی
کمسنی ہی کی عمر میں تھے کہ ایک دن
اُن کے والد نے انھیں بلایا۔ آج بھی ان
کی آنکھوں میں وہی سختی جھلک رہی تھی جو ان کے
مزاج کا ایک حصہ بن چکی تھی۔ انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ
سے اپنے مخصوص رعب دار لہجے میں کہا:

''دیکھو، تم اب شعور کی منزل پر قدم رکھ رہے ہو۔ آج سے
میں اپنے اونٹ چرانے کا کام تمہارے سپرد کر رہا ہوں۔ خبردار! میں کوئی
کوتاہی برداشت نہیں کروں گا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ادب اور احترام کے ساتھ سر جھکائے سنتے رہے۔ انھیں اب
بہر حال یہ کام کرنا تھا۔ انکار کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ وہ جانے کے لیے مڑے تو
ان کے والد نے پھر انھیں روک لیا:

''سنو! میں کسی سے یہ نہ سنوں کہ خطاب کا بیٹا کسی کام کا نہیں۔''

یوں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اونٹ چرانے کا کام شروع کر دیا۔ وہ مکے سے تقریباً
دس میل کے فاصلے پر ضَجنَانُ کے مقام پر اونٹ چرانے کے لیے جایا کرتے تھے۔
اونٹ چرانا کوئی بے عزتی کا کام نہیں تھا۔ ان دنوں یہ چیز عربوں کے مزاج اور رواج
میں شامل تھی۔ البتہ اتنی چھوٹی عمر میں اونٹ چرانا واقعی ایک عجیب بات تھی۔ ایک دن
سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب اونٹ چراتے چراتے تھکن سے چور ہو گئے تو ستانے کے لیے ایک

پتھر پر بیٹھ گئے۔ ابھی انھیں بیٹھے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ان کے والد خطاب ادھر سے گزرے۔ انھیں پتھر پر بیٹھا دیکھ کر ان کے والد گرجے:

''عمر!'' اور پھر ان کی پٹائی شروع کر دی۔

اس کڑی تربیت اور نگرانی نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طبیعت کو مزید سخت اور جسم کو خوب جفاکش بنا دیا اور ایک وقت آیا کہ پورا عرب آپ کی بہادری کے قصے سنتا تھا۔ انھوں نے تیغ زنی، سپہ گری اور گھڑ سواری میں کمال حاصل کیا۔ گھڑ سواری میں تو یہ حال تھا کہ اچھل کر گھوڑے کی پشت پر سوار ہو جاتے تھے۔ فنِ کُشتی میں بھی انھوں نے



مہارت حاصل کی تھی۔ چوٹی کے پہلوانوں کو انھوں نے شکست سے دوچار کیا۔

اس دور میں عربوں میں پڑھنے لکھنے کا رواج نہیں تھا۔ گنتی کے چند افراد ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان چند افراد میں آپ بھی شامل تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فصاحت و بلاغت میں اپنی مثال آپ تھے۔ انھیں تقریر کرنے کا ڈھنگ خوب آتا تھا۔ ان کی زبان سے نکلی

ہوئی گفتگو کو قوم میں ایک خاص پذیرائی حاصل ہوتی تھی اور ان کی بات کی اہمیت کو تسلیم کیا جاتا تھا۔ وہ شاعر نہیں تھے لیکن اشعار انھیں پسند تھے۔

جب مکے کی سرزمین پر اسلام کا نور پھیلنا شروع ہوا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عمر 27 سال تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں ان کے بھائی زید بن خطاب، بہن فاطمہ بنت خطاب اور بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ اپنے باپ دادا کے مذہب پر سختی سے قائم رہے۔ انھوں نے دعوتِ حق پر لبیک کہنے والوں پر بہت سختی کی۔ انھیں مارا پیٹا، تشدد کیا، لیکن مار پیٹ کے چھ سالوں میں وہ کسی ایک آدمی کو بھی اپنے آبائی مذہب کی طرف نہیں موڑ سکے۔

ان کا دل سخت کشمکش کا شکار تھا۔ مسلمان ہو جانے والے ہر ستم جھیل کر بھی ڈٹے ہوئے تھے۔ یہ بات انھیں حیران کیے ہوئے تھی۔

ایک روز انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھتے دیکھا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''سورۃ الحاقہ'' بلند آواز میں تلاوت کر رہے تھے۔ سورت کے الفاظ سیدھے ان کے دل میں اُترتے چلے گئے۔ ان کا دل بے ساختہ پکار اُٹھا کہ وہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں جن کی نظر میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جادوگر اور شاعر ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ تو جادوگر ہیں اور نہ ہی شاعر۔ یہ کلام کسی آدمی کا ہو ہی نہیں سکتا۔ یقیناً یہ الہامی کلام ہے ان کے دل میں اسلام کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو گیا۔ لیکن مکے میں انھیں جو ممتاز حیثیت حاصل تھی، وہ ان کے آڑے آ رہی تھی۔ باپ دادا کا مذہب چھوڑنا اتنا آسان بھی نہیں تھا۔

جب ذہن پر دباؤ ہو، دل کشمکش سے دو چار ہو..........تو آدمی پریشان ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی پریشانی کے عالم میں ایک دن انھوں نے سوچا کہ جس ہستی کی وجہ سے وہ الجھنوں میں گھرے ہوئے ہیں، کیوں نہ (معاذ اللہ) اُس ہستی ہی کا خاتمہ کر دیں۔ شاید اسی طرح کچھ سکون پالیں۔ یہ سوچ کر انھوں نے تلوار ہاتھ میں تھامی اور نبی کریم ﷺ کی تلاش میں نکلے۔ ابھی راستے ہی میں تھے کہ ایک مسلمان نُعَیم بن عبدُاللہ رضی اللہ عنہ مل گئے۔ ان کے قدموں کی تیزی اور ہاتھ میں تلوار دیکھ کر وہ چونک گئے۔ ''یہ عمر اتنے غصے میں کہاں جا رہے ہیں۔'' اُنھیں روک کر انھوں نے پوچھا:

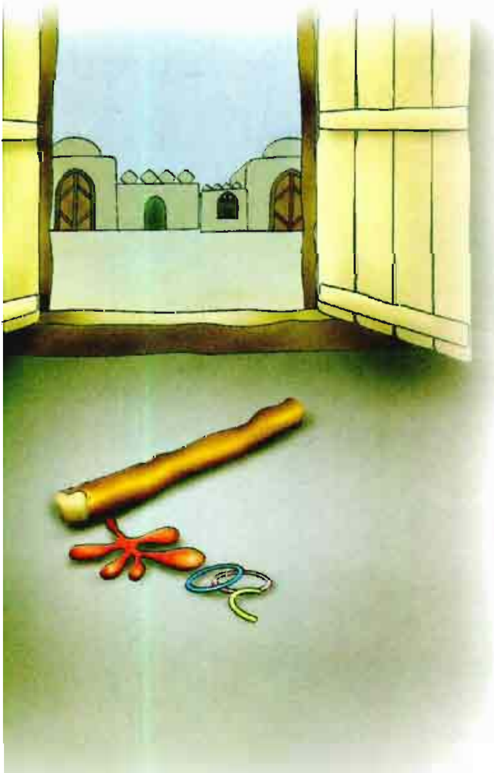
''خیر تو ہے؟ کہاں کا ارادہ ہے؟''

بولے: ''محمد (ﷺ) کو (معاذ اللہ) قتل کرنے جا رہا ہوں۔''

نُعَیم بن عبدُاللہ رضی اللہ عنہ ایک لمحے کے لیے تو یہ سن کر پریشان ہو گئے۔ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طاقت، رعب اور دبدبے سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ انھوں نے سوچا کسی طرح اس طوفان کا رُخ موڑنا چاہیے۔ یہ سوچ کر نُعَیم بن عبدُاللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''پہلے اپنے گھر کی خبر تو لیں، آپ کی بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔''

یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ طیش میں آ گئے۔ اُلٹے قدموں اپنے بہنوئی کے گھر پہنچے۔ اُس وقت رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی خبّاب بن اَرت رضی اللہ عنہ ان کے بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور بہن فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کو قرآن سکھا رہے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے دروازے پر دستک دی تو سعید بن زید اور فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہما نے ایک دوسرے کی

طرف دیکھا، اس وقت کون ہو سکتا ہے؟ سعید بن زید رضی اللہ عنہ تو شاید اندازہ نہ کر سکے لیکن فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کو شک سا ہو گیا۔ دستک دینے کا یہ انداز عمر کا لگتا ہے۔ ان سے بڑھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کون واقف ہو سکتا تھا۔ آنے والے لمحات ان کے لیے کسی بہت بڑے خطرے کا باعث بن سکتے تھے۔ چنانچہ خبّاب رضی اللہ عنہ کو ان دونوں نے چھپا دیا۔ قرآن کے اوراق جن کا وہ مطالعہ کر رہے تھے، چھپا دیے گئے، لیکن دستک دینے کے دوران سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تلاوت کی آواز سن چکے تھے۔ ان کے چہرے پر شدید غصہ اور ہاتھ میں تلوار تھی۔ ان کی اپنی بہن اور بہنوئی اپنے آبائی دین سے پھر گئے تھے۔ ان کے لیے اس سے بڑھ کر صدمے کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ دروازہ کھلا، اندر پہنچے اور طیش کے عالم میں پوچھا:



"تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے؟"

یہ سن کر ان کی بہن اور بہنوئی خاموش رہے۔ انھوں نے پھر کہا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مسلمان ہو گئے ہو اور اپنے باپ دادا کے مذہب سے پھر گئے ہو۔" اتنا کہہ کر انھوں نے اپنے بہنوئی کو مارنا شروع کر دیا۔ بہن بچانے کے لیے آگے بڑھیں تو بہن کے سر پر لکڑی دے ماری۔ اُن کے سر سے خون

بہہ نکلا۔ اس وقت اُن دونوں نے کہا:

”عمر، تم نے ٹھیک سنا، ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں۔ تم سے جو ہو سکے کرلو۔ اسلام تو اب ہمارے دلوں سے نہیں نکل سکتا۔“

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بہن کے لہولہان سر کو دیکھا اور ان کے یہ الفاظ سنے تو سارا غصہ ختم ہو کر رہ گیا۔ نرمی سے بولے:

”لاؤ مجھے دکھاؤ جو تم پڑھ رہے تھے!“

”نہیں، تم ناپاک ہو، اس لیے تم اسے ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ اسے پڑھنا چاہتے ہو تو پہلے غسل کرو۔“

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے غسل کرنے پر بہن نے اوراق انھیں دے دیے۔ ان پر سورۂ طٰہٰ کی چند آیات لکھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے جب ان آیات کو پڑھا تو بے اختیار اُن کے منہ سے نکلا۔

”واہ! کتنا عمدہ اور اعلیٰ درجے کا کلام ہے۔“



سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر خبّاب بن اَرَت رضی اللہ عنہ بھی باہر نکل آئے اور بولے:

''عمر! مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا کو پورا کرنے کے لیے آپ کو چن لیا ہے۔ میں نے کل ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے سنا تھا: الٰہی، ابوجہل بن ہشام یا عمر بن خطاب کے ذریعے اسلام کو قوت عطا کر۔ لہٰذا عمر! اللہ کی طرف آؤ! اللہ کی طرف آؤ!''

یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دارِ ارقم میں تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار کمر کے ساتھ لٹکائی اور خبّاب بن اَرَت رضی اللہ عنہ کے ہمراہ وہاں جا پہنچے۔ دروازے پر دستک دی۔ اندر صحابہ کرام کے جھرمٹ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ ایک صحابی نے جھانک کر باہر دیکھا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ آپ کی سخت مزاجی کا انھیں پوری طرح علم تھا۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا: ''عمر (رضی اللہ عنہ) کمر سے تلوار لٹکائے ہوئے ہیں، نہ جانے ان کا ارادہ کیا ہے!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں دلیری کے وصف سے خوب نوازا تھا۔ فوراً بولے:

''انھیں اندر آنے دو۔ نیک ارادے سے آئے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ انھی کی تلوار سے ان کا سر اُڑا دوں گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حکم دیا ''انھیں آنے دو۔''



دروازہ کھلا اور سیدنا عمر ؓ اندر داخل ہوئے۔ دیگر صحابہ کرام اور سیدنا حمزہ ؓم چوکنا تھے۔ وہ ان کے کسی بھی حملے کا فوری جواب دینے کے لیے تیار تھے۔ ان کے دل آنے والے لمحات کی سنگینی کے احساس سے بُری طرح دھڑک رہے تھے۔ کیونکہ سیدنا عمر ؓ کو عرب کے معاشرے میں بہت عزت اور احترام کے ساتھ دیکھا جاتا تھا۔ ان کی طبیعت کی سختی کے بارے میں سبھی جانتے تھے۔ ان کی شہ زوری بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی آپ ﷺ اپنی جگہ سے اُٹھے اور ان کی طرف بڑھے۔ ان کی چادر کو پکڑ کر زور سے کھینچا اور فرمایا:

''خطاب کے بیٹے! تم کس ارادے سے آئے ہو؟''

سیدنا عمر ؓ کا دل تو پہلے ہی نرم پڑ چکا تھا۔ عرض کیا: ''اللہ کے رسول ﷺ! میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔''

یہ سن کر دارِارقم میں موجود تمام صحابہ کرام نے اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ پوری وادی اس نعرے سے گونج اُٹھی۔ سیدنا عمر ؓ نے کلمہ پڑھا اور اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے۔ اس موقع پر سیدنا عمر ؓ نے اپنے دل کی خلش مٹانے کے لیے

سوال کیا:

"اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟"

آپ ﷺ نے فرمایا: "اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم لوگ حق پر ہو۔"

یہ سن کر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"جب ہم حق پر ہیں اور کافر غلط راستے پر، تو پھر اپنا دین کیوں چھپائیں؟"

آپ ﷺ نے فرمایا: "عمر! ہماری تعداد ابھی کم ہے اور تم دیکھ رہے ہو کہ ہم کن حالات سے گزر رہے ہیں۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: "اُس ذات کی قسم! جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔ میں اسلام لانے سے پہلے جن لوگوں میں اُٹھتا بیٹھتا تھا، اب مسلمان ہو کر ان کے سامنے جاؤں گا۔"

اس پر تمام مسلمان دارِ ارقم سے دو صفیں بنا کر نکلے۔ اُن کا رُخ کعبے کی سمت تھا۔ ایک صف کی قیادت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کر رہے تھے اور دوسری کی سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ۔ سب نے مسجدِ حرام میں نماز ادا کی۔ کفارِ قریش نے دیکھا تو طیش میں آ گئے۔ لیکن ان دونوں بہادروں کے ہوتے ہوئے وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ بعد میں جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انھیں تنہا نظر آئے تو ان پر حملہ آور ہو گئے۔ انھوں نے بھی ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا۔ بالآخر کافر انھیں چھوڑ کر چلے گئے۔ یہ واقعہ نبوت کے چھٹے سال پیش آیا۔ ایمان لانے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ چھ سال تک مکے ہی میں قیام پذیر

رہے۔ پھر جب دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مدینے کی طرف ہجرت کی تو کفار سے علانیہ کہا:

"میں آج مکے سے جا رہا ہوں، کسی میں ہمت ہے تو مجھے روک کر دکھائے؟"

لیکن کون تھا جو انھیں روکنے کی جرأت کرتا۔ لوگوں کی نظروں کے سامنے، اُن کے غرور کے بت پاش پاش کر کے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مکے سے مدینے کی طرف چل دیے۔ ہجرت کا یہ سفر بستی قباء پر ختم ہوا۔ قباء مدینے سے تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو وہاں آپ ﷺ کا انتظار تھا۔ وہ آپ کی ہمراہی میں مدینے میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ بالآخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں، عرب کے چاند نبی کریم ﷺ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ



تشریف لے آئے اور قباء میں کچھ عرصہ قیام کیا۔ اس مقام پر مسجدِ قباء کی تعمیر ہوئی۔ جب سب مسلمان قباء میں پہنچ گئے تو مدینے کا رُخ کیا گیا۔

مدینے میں نبی کریم ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں بھائی چارے کا رشتہ قائم کروایا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔ انھوں نے اپنا نصف مکان ان کے حوالے کر دیا۔

ایک صحابی سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خواب میں اذان کے الفاظ سنے۔

انھوں نے یہ الفاظ نبی ﷺ کو سنائے تو آپ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اذان کہیں۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے جوں ہی اذان شروع کی، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے:

''اللہ کے رسول ﷺ! اُس ذات کی قسم! جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے میں نے بھی بالکل یہی الفاظ خواب میں سنے ہیں۔''

یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔ چنانچہ اذان کے وہ الفاظ ہمیشہ کے لیے مقرر فرما دیے گئے۔

ہجرت کے دوسرے سال جنگِ بدر ہوئی۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی اس جنگ میں شریک ہوئے اور انھوں نے ایک نامور بہادر عاص بن ہشام کو قتل کیا۔ یہ ان کے سگے ماموں لگتے تھے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ ستر قیدی ان کے ہاتھ لگے۔ نبیِ کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کہ ان قیدیوں سے کیسا معاملہ کرنا چاہیے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فدیہ لے کر چھوڑنے کی رائے دی۔ یہ قیدی وہ تھے جو اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لیے آئے تھے۔ شرک کے اندھیروں میں ڈوبے یہ لوگ ہر صورت میں مسلمانوں کو ختم کر دینا چاہتے تھے۔ اپنی تلواروں کے زور پر ان کے سینوں سے ایمان کا نور نکال دینا چاہتے تھے۔ اسی بنا پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا:

''اللہ کے رسول ﷺ، یہ کفر کے سردار اور امراء ہیں۔ آپ ہمیں حکم دیں ہم اپنے ہاتھوں سے اپنوں کی گردنیں اُڑائیں۔''

مالکِ کائنات نے عرشِ بریں پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند فرمایا، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نرم مزاجی کی بنا پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مشورے کو پسند فرمایا، جس پر اللہ تعالیٰ نے بعد میں تنبیہ فرمائی۔ اسی طرح منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبیّ جب فوت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھانے کا ارادہ فرمایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس نے فلاں فلاں موقعے پر ہمارے ساتھ یہ کیا تھا۔ آپ پھر بھی اس کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے تیار ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باوجود نمازِ جنازہ پڑھا دی۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ حکم اُتار دیا:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ﴾

''ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کے جنازے کی ہرگز نماز نہ پڑھیں اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔''

اس کے علاوہ بھی کئی مواقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کی موافقت میں آیات اُتاریں۔ مثلاً سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خواہش ظاہر کی کہ مقامِ ابراہیم کو نماز کے لیے مصلّٰی بنا لیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی یہ آیت نازل فرما دی:

﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ﴾

''اور تم مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لو۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فطری طور پر بہت دلیر تھے۔ مشرکوں سے ڈرنا، اُن کے سامنے جھکنا انھیں کسی بھی صورت میں گوارا نہیں تھا، اسی لیے صلح حدیبیہ کے موقع پر انھوں نے

رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

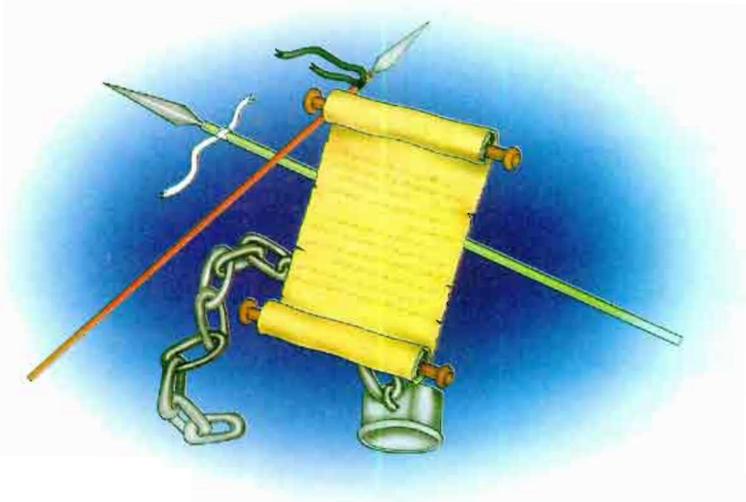
''اللہ کے رسول ﷺ ! کیا آپ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟''

آپ ﷺ نے ارشاد کیا: ''یقیناً میں اللہ کا سچا نبی ہوں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا: ''کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر ہے۔''

تب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ کے رسول ﷺ! جب ہم حق پر اور ہمارا دشمن



باطل پر ہے تو پھر دب کر صلح کیوں کریں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ کے حکم کے خلاف نہیں کرتا، وہی میرا مددگار ہے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے بھی یہی بات کہی۔

انھوں نے بھی ویسا ہی جواب دیا:

"نبی کریم ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کر سکتے وہی آپ کا حامی ہے۔ ہر معاملے میں آپ ﷺ کی فرماں برداری کرو۔"

تب کہیں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دل کو اطمینان ہوا۔ واپسی میں سورۂ فتح نازل ہوئی جو مؤمنوں کے دلوں کو سکون بخشنے کے لیے کافی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر اپنے جن جذبات کا اظہار کیا تھا معاذ اللہ ان کا مطلب کسی شک یا وسوسے کا اظہار نہیں بلکہ وہ چونکہ فطری طور پر بہادر اور جرأت مند آدمی تھے اس لیے چاہتے تھے کہ کافروں سے دب کر بات نہ کی جائے، بعد میں انھیں پوری زندگی اس بات پر افسوس رہا۔ اپنی اس غلطی کے کفارے کے لیے انھوں نے بہت سے روزے رکھے، کئی غلام آزاد کیے اور نفل نمازیں ادا کیں۔

8 ہجری میں جب رسول اللہ ﷺ دس ہزار صحابہ کے ساتھ مکے کی طرف روانہ ہوئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ قریش کے سردار ابوسفیان جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اجازت دیں، میں ابوسفیان کا سر اُڑا دوں۔"

لیکن آپ ﷺ نے ایسا کرنے کی اجازت نہ دی۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے وہیں اسلام قبول کر لیا۔

فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین پیش آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اُن چند افراد میں شامل تھے جو ابتدا میں مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدانِ جنگ

میں ڈٹ کر کھڑے رہے۔ بعد میں مسلمانوں نے پلٹ کر کفار پر پے در پے حملے کیے اور ان کو شکست سے دو چار کیا۔ جنگِ تبوک میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مال کا نصف حصہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تا کہ جنگ کی تیاری ہو سکے۔ یہی وہ جنگ تھی جس کے بعد رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

نبی کریم ﷺ کی وفات کا سانحہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے ایک اَن ہونی تھی۔ اُنھیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ وہ غصے کے ساتھ یہ اعلان کر رہے تھے:

''جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی ہے میں اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں سمجھایا تو انھیں نبی ﷺ کی وفات کا یقین آیا۔ جب خلافت کے مسئلے پر مسلمانوں میں اِختلاف پیدا ہوا تو اس موقعے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی تھے جنھوں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نامِ گرامی خلافت کے لیے پیش کیا اور کہا:

''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، غار کے ساتھی ہیں۔ یہ تمام



مسلمانوں سے زیادہ تمہارے معاملات کے والی ہونے کے حق دار ہیں۔"

سبھی مسلمانوں نے اُن کی رائے سے اتفاق کیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت قریباً سوا دو برس رہی۔ جمادی الاُولیٰ 13 ہجری میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سخت بیمار ہو گئے۔ بچنے کی اُمید جب بہت کم ہو گئی تو انھوں نے خلافت کے بارے میں چند اہم اور قریبی صحابہ سے مشورہ کیا اور پھر خود ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نام بطورِ خلیفہ تجویز کر دیا۔ صحابہ کرام نے عرض کی کہ وہ مزاج کے بہت سخت ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد کیا:

"جب ان پر خلافت کا بوجھ پڑے گا تو نرم ہو جائیں گے۔"

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وفات سے قبل انھیں وصیت کی کہ عراق میں مسلمان ایرانیوں سے لڑ رہے ہیں، اُن کے لیے فوراً مدد بھیجی جائے۔

22 جمادی الثانیہ کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔ تمام مسلمانوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ اس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے دوسرے خلیفۂ راشد بن گئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ زہد و تقویٰ میں سب سے بڑھ کر تھے۔ اسی کا اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل کو حکمت سے بھر دیا تھا اور ان کی زبان سے حکمت و دانائی ہی کی بات نکلتی تھی۔ طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نہ تو اسلام لانے والوں میں ہم سے آگے تھے، نہ ہجرت میں ہم سے سبقت لی۔ لیکن آپ دنیا سے بے رغبت اور آخرت کی رغبت رکھنے والے تھے۔"

ربیع بن زیاد حارثی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس



گیا انھوں نے سخت خوراک کی وجہ سے پیٹ میں تکلیف کا بتایا۔ میں نے کہا: ''امیرالمؤمنین تمام لوگوں سے بڑھ کر اچھی خوراک، نرم لباس اور سواری کے آپ مستحق ہیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہماری مثال ایک ایسی قوم کی سی ہے، جنھوں نے مل کر سفر شروع کیا اور زادِ راہ ایک آدمی کے پاس جمع کر دیا اور اُسے کہا کہ ہم پر خرچ کرتے رہو۔ کیا اُسے حق حاصل ہے کہ وہ اس میں سے اپنے آپ کو دوسروں پر ترجیح دے۔''

ربیع بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے جواب دیا: ''ہرگز نہیں!''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے مال کو اپنے لیے اسی طرح سمجھتے تھے جیسے یتیم کا مال ہوتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے:

''میرے نزدیک مسلمانوں کا مال یتیم کے مال کی طرح ہے۔ جو اس سے جتنا بچ سکے بچے۔ اگر لینا بھی پڑ جائے تو حسبِ ضرورت لے، ضرورت سے زائد، اسراف کی اجازت نہیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایک والی کو مسلمانوں کے مال سے صرف اتنا لینے کی اجازت ہے کہ وہ سردیوں اور گرمیوں کا ایک ایک جوڑا لے سکتا ہے اور ایک متوسط درجے کے مسلمان کے برابر کھانے پینے کا سامان لے سکتا ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ رعایا پر بہت شفقت اور مہربانی کرتے تھے۔ اُن کا معمول تھا کہ نماز سے فارغ ہو کر کچھ وقت لوگوں کے مسائل سننے کے لیے بیٹھتے تھے۔ لوگ اُن کے پاس اپنی شکایات لے کر آتے تھے۔ وہ محتاجوں کی مدد کرتے تھے مظلوموں کی داد رسی کرتے تھے۔ ایک دفعہ بازار میں ایک نوجوان عورت نے اُن کا راستہ روک لیا اور کہا:

''امیر المومنین، میرا شوہر فوت ہو گیا، میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اللہ کی قسم! ان کو کھلانے کے لیے جانور کے کُھر بھی میسر نہیں، نہ ان کے لیے کوئی زمین ہے نہ کوئی دودھ والا جانور اور مجھے ڈر ہے کہ وہ بھوک سے مر جائیں گے۔''

اُس عورت کی فریاد نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو شدید متاثر کیا۔ وہ عورت پھر بولی:

''میں خفاف بن ایماء غفاری رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح حدیبیہ میں شریک تھا۔'' یہ سن کر آپ نے فرمایا: ''مرحبا! بڑا قریبی نسب (رشتہ) ہے۔''

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ گھر گئے، ایک اونٹ پر کھانے کی اشیاء سے بھری دو بوریاں رکھیں اور خرچ کے لیے کچھ دوسرا مال بھی رکھا اور اس اونٹ کی مہار اس عورت کے ہاتھ میں دیتے ہوئے فرمایا:

''یہ لے جاؤ! اس کے ختم ہونے تک ان شاء اللہ! اللہ تعالیٰ بہتر انتظام فرما دے گا۔''

ایک آدمی نے کہا: ''امیر المومنین! آپ نے اس کو بہت زیادہ دے دیا ہے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے اس کے باپ اور بھائی کو دیکھا انھوں نے لمبا عرصہ ایک قلعے کا محاصرہ کیا اور بالآخر اُسے فتح کر لیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میں عجز و انکساری کی خوبی بہت نمایاں تھی۔ اس خوبی کی بنا پر لوگ ان کا بہت احترام کرتے تھے اور دلی طور پر ان سے محبت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ آپ ملکِ شام تشریف لائے۔ جس راستے پر آپ جا رہے تھے اُس پر پانی تھا۔ آپ اونٹ سے اُترے، موزے اُتارے اور اونٹ کی مہار پکڑ کر پانی میں چلنے لگے۔ سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر فرمایا:



''آپ نے اہلِ علاقہ کے سامنے اچھا نہیں کیا۔ آپ نے موزے اُتارے سواری کے آگے آگے چلے اور پانی کے اندر داخل ہو گئے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ابو عبیدہ، اگر تمہاری بجائے کوئی اور یہ بات کہتا تو اور بات تھی۔ تم لوگوں میں مٹھی بھر تھے، کمزور تھے۔ اللہ نے اسلام کی وجہ سے تمہیں عزت بخشی۔ اگر اس کو چھوڑ کر تم عزت ڈھونڈو گے تو ذلیل ہو جاؤ گے۔''

سلیم بن حنظلہ بکری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم سیدنا ابیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کے گرد بیٹھے سوال و جواب میں مشغول تھے کہ اچانک وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور چلنے لگے، ہم بھی ان کے پیچھے چلنے لگے۔ وہ اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے یہ دیکھ کر سخت ناراضی کا اظہار کیا اور سیدنا ابیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے:

''یہ کام آگے والے کے لیے فتنہ اور پیچھے چلنے والے کے لیے ذلت ہے۔''

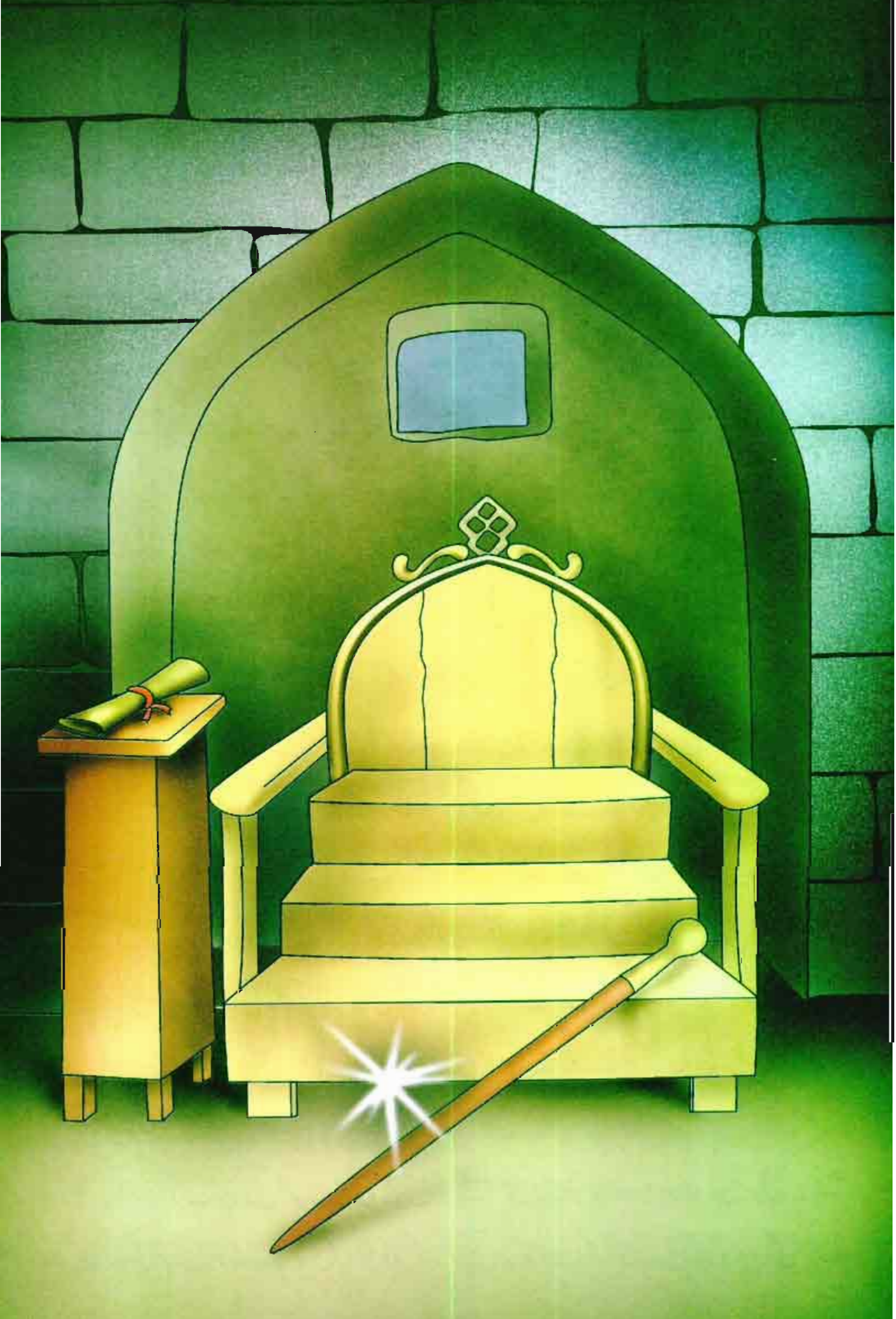
ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع ہونے کے لیے کہا۔ جب کافی لوگ جمع ہو گئے تو منبر پر چڑھ کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا اور پھر فرمایا:

''لوگو! مجھے وہ وقت یاد ہے جب میں مٹھی بھر کھجوروں یا انگوروں کے بدلے پورا دن اپنے ماموں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔''

اتنا کہہ کر منبر سے نیچے اُتر گئے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

''امیر المومنین، آپ نے سوائے اپنی توہین کرنے کے اور تو کچھ نہیں کہا۔''

فرمایا: ''افسوس عبدالرحمٰن! بات دراصل یہ ہے کہ میں اکیلا بیٹھا تھا تو میرے



دل میں خیال آیا کہ تُو امیر المومنین ہے، تجھ سے بڑا کون ہے؟ میں تو صرف اپنے نفس کو اس کی اصلیت بتانا چاہتا تھا۔''

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

میں نے ایک اونٹ خریدا اور اسے چراگاہ میں بھیج دیا۔ جب وہ موٹا ہو گیا تو بازار لے آیا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بازار میں آئے ہوئے اس موٹے تازے اونٹ کو دیکھ کر فرمایا: یہ کس کا ہے؟

جواب ملا: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا!

فوراً پکار کر بولے: عبداللہ بن عمر، شاباش! شاباش! امیر المومنین کے بیٹے!

آواز سن کر میں دوڑتا ہوا آیا اور پوچھا: ''امیر المومنین، کیا بات ہے؟

بولے: ''یہ اونٹ کیسا ہے؟''

میں نے جواب دیا: ''یہ کمزور سا اونٹ تھا۔ میں نے لے کر چراگاہ میں بھیج دیا۔''

فرمایا: ''اچھا! چراگاہ والے کہتے ہوں گے، امیر المومنین کے بیٹے کا اونٹ ہے۔ اسے چارہ کھلاؤ، اسے پانی پلاؤ۔ عبداللہ، اونٹ کی اصل قیمت جس پر خریدا ہے اپنے پاس رکھو اور باقی رقم بیت المال میں جمع کروا دو۔''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب لوگوں کو کسی کام سے روکتے تو آ کر اپنے گھر والوں کو بھی جمع کر کے کہتے:

''لوگ تمہاری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے پرندہ گوشت کی طرف دیکھتا ہے۔ اگر تم نے (غلط کام) کیا تو وہ بھی کریں گے اور اگر تم رک گئے تو وہ بھی رک

جائیں گے۔ اللہ کی قسم! اگر تم میں سے کسی نے ایسے کام کا ارتکاب کیا جس سے میں نے منع کیا ہے تو میں تمھیں دُہری سزا دوں گا۔‘‘

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں مسلمانوں نے عظیم الشان فتوحات حاصل کیں۔ حکومت 22 لاکھ مربع میل تک کے علاقے پر پھیل گئی تھی۔ اس میں عرب کے علاوہ عراق، ایران، مصر، فلسطین، بحرین، آرمینیا آذربائی جان، سِیِسْتان وغیرہ شامل تھے۔



اتنے بڑے ملک کا انتظام بہت کٹھن تھا لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بہت خوبی سے انتظام کیا۔ انھوں نے اسلامی سلطنت کو صوبوں میں بانٹ دیا۔ پھر ہر صوبے کو ضلعوں میں تقسیم کیا۔ عام طور پر ایک صوبے میں دس سے لے کر بیس ضلعے ہوتے تھے۔ ملک کا انتظام چلانے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورے لیتے رہتے تھے۔ مشورہ کرنے کے لیے انھوں نے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک مجلسِ شوریٰ تشکیل دی تھی۔ اس کے اجلاس زیادہ تر مسجدِ نبوی میں ہوتے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہر صوبے کا ایک گورنر مقرر کیا ہوا تھا۔ ان کی نگرانی وہ خود کیا کرتے تھے۔ ان گورنروں کو سادہ انداز میں زندگی گزارنے کی ہدایت کی جاتی تھی۔ آپ ہر سال حج کے زمانے میں اپنے گورنروں کو جمع کرتے، ان سے لوگوں کے

احوال دریافت کرتے۔ پیچھے کے حالات پوچھتے۔ پھر لوگوں سے ان گورنروں کے بارے میں پوچھتے۔ لوگ بے دھڑک شکایت کرتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے اس قسم کا خطبہ دیتے:

''لوگو! تم پر جو حاکم مقرر کیے گئے ہیں وہ اس لیے نہیں بھیجے گئے کہ تمھیں ماریں پیٹیں اور تمہارا مال چھین لیں، بلکہ انھیں اس لیے بھیجتا ہوں کہ وہ تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سکھائیں۔ اگر کسی نے اِس کے خلاف کیا ہے تو مجھ سے بیان کرو تاکہ میں اس کا بدلہ لوں۔''

لوگوں کو عام اجازت تھی کہ وہ کسی وقت بھی اپنی شکایت پیش کر سکتے تھے۔ ایک دفعہ مصر کے ایک غریب شخص نے گورنر کے بیٹے کی شکایت کی کہ اُس نے اُسے بلاوجہ پیٹا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے باپ بیٹے کو بلوالیا۔ پھر اُس غریب کو کوڑا دے کر کہا:

''جتنے کوڑے اس نے تمھیں مارے تھے، اتنے ہی تم اسے مارو۔''

اس غریب نے کوڑے مارے، تعداد پوری ہونے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اب دو چار کوڑے گورنر کو بھی مارو!''

لیکن اُس آدمی نے ایسا کرنا پسند نہ کیا۔

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسلام کے بہت بڑے جرنیل تھے۔ انھوں نے بیسیوں لڑائیاں لڑیں۔ بڑی بڑی سلطنتوں کو انھوں نے ملیا میٹ کر کے رکھ دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب وہ مسلسل فتوحات حاصل کرتے جا رہے تھے تو عین اس حالت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں سپہ سالاری سے معزول کر دیا۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو انھوں



نے فرمایا:

''مسلمان یہ خیال کرنے لگے تھے کہ یہ فتوحات خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہو رہی ہیں، جب کہ فتوحات ہمیں اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہو رہی ہیں۔''

جزیرہ کے گورنر عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ باریک لباس پہنتے ہیں۔ دروازے پر دربان بھی مقرر کر رکھا ہے۔ آپ نے انھیں فوراً بلوایا۔ اُن کے لباس کو اُترواکر بالوں کا بنا ہوا کھردرا کُرتا پہنا دیا اور بکریوں کا ریوڑ منگوا کر انھیں حکم دیا کہ جنگل میں جاؤ اور بکریاں چراؤ۔ عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ صحابی تھے۔ ایک صوبے کے گورنر تھے۔ اتنی سخت سزا سننے کے بعد انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ ایسا لباس نہیں پہنیں گے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں معاف کر کے اپنے عہدے پر واپس بھیج دیا۔ عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ جب تک زندہ رہے، موٹا لباس پہنتے رہے۔ نہ کبھی باریک لباس پہنا، نہ دروازے پر دربان مقرر کیا۔

فتوحات کا دائرہ پھیلنے سے بے پناہ مالِ غنیمت حاصل ہو رہا تھا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے 15 ہجری میں بیت المال قائم کر دیا۔ اس میں سے یتیموں' غریبوں ناداروں اور بیواؤں کو وظیفے دیے جاتے تھے۔ ضرورت مندوں کو قرض بھی دیا جاتا تھا۔ جنگی ضروریات پر بھی خرچ کیا جاتا تھا۔ ایک دن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو تیز دھوپ میں بھاگتے دیکھا تو حیران ہوئے۔ پوچھنے پر پتا چلا کہ بیت المال کا

اونٹ گم ہو گیا تھا اس کو تلاش کر رہے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو بیت المال کی خوشبو فروخت کرنے کے لیے دی۔ وزن پورا کرنے کے لیے کبھی کبھی وہ اپنے دانتوں سے خوشبو توڑتی تھیں۔ اس عمل کے دوران کچھ خوشبو ان کی انگلیوں کے ساتھ لگ گئی۔ انھوں نے وہ خوشبو اپنے دوپٹے کے ساتھ مل لی۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو پوچھا:

''یہ خوشبو کیسی ہے؟''

جواب میں انھوں نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا دوپٹا اُتار کر زمین پر ملنا شروع کر دیا اور فرمایا:

''تم مسلمانوں کی خوشبو سے خوشبو حاصل کرتی ہو۔''

مٹی میں ملنے کے بعد اس کو پانی سے دھویا اور اُس وقت تک دھوتے رہے جب تک اُس کی خوشبو ختم نہ ہوگئی۔

ایک مرتبہ روم کے بادشاہ کا ایلچی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ آپ کی بیوی نے ایک دینار قرض لے کر اُس کا عطر خریدا اور اسے شیشیوں میں بھر کر ایلچی کے ہاتھ شاہِ روم کی بیوی کو تحفے میں بھیج دیا۔ جب تحفہ شاہِ روم کی بیوی کو ملا تو اُس نے عطر نکال کر خالی شیشیوں کو ہیرے جواہرات سے بھرا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی کو بھیج دیا۔ آپ کی بیوی نے جواہرات شیشیوں سے نکال کر چٹائی پر بکھیرے ہوئے تھے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے اور پوچھا:

''یہ کیا ہے؟''



بیوی نے سارا ماجرا سنایا۔ آپ نے سارے جواہرات بیچ کر ایک دینار بیوی کو واپس کیا اور باقی دینار بیت المال میں جمع کروا دیے۔

ایک دفعہ بیماری کی حالت میں علاج کے لیے شہد تجویز کیا گیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا۔ لیکن آپ نے لینا گوارا نہ کیا۔ آخر کار لوگوں کو جمع کیا گیا، جب سب نے اجازت دے دی تب شہد لیا۔

عبدالرحمٰن بن نَجِیح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں آپ کے پاس حاضر تھا۔ غلام دودھ دوہ کر لایا۔ آپ نے اُس کا ذائقہ بدلا ہوا محسوس کیا۔ غلام سے پوچھا:

"یہ دودھ کہاں سے لائے ہو؟"

اُس نے جواب دیا: اونٹنی کا بچہ دودھ پی گیا تھا۔ میں نے بیت المال کی اونٹنی کا دودھ آپ کو دے دیا۔"

آپ نے کہا! "افسوس تو مجھے آگ پلا رہا ہے۔ جاؤ! علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بلا کر لاؤ۔"

وہ بلا کر لائے تو آپ نے فرمایا: "اس نے مجھے بیت المال کی اونٹنی کا تھوڑا سا دودھ پلایا ہے۔ کیا تم مجھے اس کی اجازت دیتے ہو، کیا وہ میرے لیے حلال ہے؟"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''امیر المومنین آپ کے لیے حلال ہے؟''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عدل و انصاف کا بہترین نمونہ دنیا کو دکھایا۔ آپ نے ایسے قاضی مقرر کیے جن کے دل اللہ کے خوف سے لبریز تھے۔ ان لوگوں کو یہ حکم تھا کہ تمام فیصلے قرآن و حدیث کے مطابق کیے جائیں۔ قاضیوں کی تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ آپ نے کوفے میں شریح رحمۃ اللہ علیہ کو قاضی مقرر کیا۔ ان کے فیصلوں نے بہت شہرت حاصل کی۔ وقت آنے پر وہ امیر المومنین کے خلاف بھی فیصلہ دے دیتے تھے۔

آپ نے پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ خود رعایا کا حال جاننے کے لیے راتوں کو گشت کیا کرتے تھے۔ ملک شام کے سفر سے لوٹ رہے تھے کہ ایک بڑھیا نظر آئی، اس سے پوچھا:

''بڑی بی! ''عمر'' کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟''

وہ بولی: ''ہاں، سنا ہے شام گیا ہوا ہے۔ اللہ اسے سمجھے! آج تک اس نے مجھے پھوٹی کوڑی نہیں دی۔ اسے معلوم نہیں میں کتنی تنگی سے گزارا کر رہی ہوں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: ''بڑی بی، تم نے جا کر عمر کو اپنا حال بتایا؟''

بڑھیا نے کہا: ''اگر اُسے رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے؟''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو پڑے۔ پھر اُس سے پوچھا: ''تم کیا لے کر عمر کو معاف کر سکتی ہو؟''

اُس نے کہا: ''اگر مجھے پچیس دینار مل جائیں تو معاف کر دوں گی۔''

آپ نے اُسی وقت اُسے پچیس دینار دے دیے۔ وہ خوش ہو کر دعائیں دینے

لگی۔ ''اللہ عمر کو معاف کرے! اُس پر اپنی رحمت نازل کرے۔''

بعد میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا وظیفہ مقرر فرما دیا۔

ایک مرتبہ آپ نے ایک ننھے بچے کو روتے دیکھا تو اس کی ماں پر ناراض ہوئے کہ وہ بچے کو دودھ کیوں نہیں پلاتی۔ وہ آپ کو پہچانتی نہیں تھی، کہنے لگی: ''امیر المومنین نے حکم دیا ہے کہ جب تک بچے ماں کا دودھ پیتے رہیں، بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے۔ میں اس کا دودھ چھڑوا رہی ہوں تاکہ وظیفہ لگ جائے۔'' یہی اس کے رونے کی وجہ ہے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر بہت روئے۔ پھر اعلان کر دیا کہ جس دن کوئی بچہ پیدا ہوگا، اس کا وظیفہ اُسی دن مقرر ہو جائے گا۔

ایک شخص پر نظر پڑی، وہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ اس کے قریب جا کر فرمایا:

''دائیں ہاتھ سے کیوں نہیں کھاتے؟''

اس نے کہا: ''میرا دایاں ہاتھ موتہ کی لڑائی میں کٹ گیا تھا۔''



یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور بولے:

''افسوس! تمہیں وضو کون کراتا ہوگا۔'' پھر اس کی خدمت کے لیے ایک خادم مقرر کیا اور ضرورت کی چیزیں اس کے

گھر بھجوائیں۔

اسی طرح ایک رات گشت کرتے ہوئے ایک مکان کے باہر رُک گئے۔ ایک عورت اپنی بچی سے کہہ رہی تھی:

''بیٹی، دودھ میں پانی ملا دو۔''

بیٹی بولی: ''ماں، امیر المومنین کا حکم ہے کوئی دودھ میں پانی نہ ملائے۔''

ماں نے اُسے ڈانٹ کر کہا ''باتیں نہ بناؤ! پانی ملاؤ، امیر المومنین کون سا دیکھ رہے ہیں۔''

بیٹی نے کہا: ''امیر المومنین نہیں دیکھ رہے، مگر اللہ تو دیکھ رہا ہے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ گفتگو سن کر بہت خوش ہوئے۔ اپنے خادم سے کہا کہ اس گھر کو اچھی طرح پہچان لو۔ دوسرے دن ان لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ آپ کو اس لڑکی کی ایمانداری اس قدر پسند آئی کہ اپنے بیٹے عاصم کی اس کے ساتھ شادی کر دی۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اسی خاتون کے نواسے تھے۔ انھوں نے اپنے دور حکومت میں عدل و انصاف کی شاندار مثالیں قائم کیں۔ اُن کی سادگی، پرہیزگاری اور انصاف پسندی کی بنا پر انھیں عمرِ ثانی کہا جاتا ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے راستوں میں چوکیاں بنوائیں تاکہ راستے محفوظ رہیں۔ شہروں میں مہمان خانے بنوائے، ملک میں جگہ جگہ نہریں کھدوائیں جن سے آب پاشی آسان ہو گئی۔ سڑکیں اور پل بنوائے، نئے شہر بسائے، قریباً چار ہزار مسجدیں تعمیر کروائیں۔ خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کو وسیع کروایا۔ سن ہجری قائم کیا، مردم شماری کا نظام



رائج کیا۔ سکہ جاری کیا۔ قرآن اور حدیث کی تعلیم عام کر دی۔ آپ نے تمام علاقوں میں فقیہ مقرر کیے۔ لوگ ان سے دینی مسائل کا حل پوچھتے تھے۔ ان کے زمانے میں اسلام بہت تیزی سے پھیلا۔ آپ نے غیر مسلموں سے اچھا سلوک کرنے کی ہدایت کی تھی، اسی لیے ان میں سے اکثر مسلمان ہو جاتے تھے۔

ملکِ شام میں مسلمانوں کو مسجد بنانے کے لیے ایک زمین کی ضرورت پیش آئی۔ زمین ایک یہودی کی ملکیت تھی۔ مسلمانوں نے زمین اُس سے خریدنا چاہی لیکن یہودی نے انکار کر دیا۔ مسلمانوں نے زبردستی زمین پر قبضہ کر کے مسجد تعمیر کر لی۔ یہودی نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ مسجد ناجائز طریقے سے بنائی گئی ہے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ مسجد کو گرا کر زمین یہودی کو دے دی جائے۔ چنانچہ زمین یہودی کو واپس دے دی گئی۔ اس نے اس جگہ اپنا مکان بنا لیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جنگوں کا سلسلہ بڑھنے پر باقاعدہ فوجی نظام تشکیل دیا۔ فوجیوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ مجاہدین کے بیوی بچوں اور غلاموں کے وظیفے مقرر کیے۔

فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا، ایک باقاعدہ فوج جو ہمیشہ محاذوں پر رہتی تھی۔ دوسری رضا کار فوج، یہ لوگ عموماً گھروں میں رہتے تھے۔ ضرورت پڑنے پر انھیں محاذ پر بھیجا جاتا تھا۔ ان کی تنخواہیں باقاعدہ فوج سے کم تھیں۔ ملک میں جگہ جگہ فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ فوج کے ساتھ خزانچی، طبیب، جرّاح، مالِ غنیمت کا حساب رکھنے والے دوسری زبانیں جاننے والے اور دشمن کی جاسوسی کرنے والے بھی رہتے تھے۔ فوج کی تعلیم کا انتظام بھی کیا۔

اسی منظم فوج نے ملکوں کے ملک فتح کر ڈالے، مجاہدین جدھر کا رُخ کرتے تھے، فتح ان کے قدم چومتی تھی۔ عراق، مدائن، حلوان، جزیرہ، نہاوند، آذربائی جان آرمینیا اور بے شمار علاقے مسلمانوں کے قبضے میں آئے۔ ان میں بیت المقدس بھی شامل تھا۔ فلسطین ان دنوں شام کا حصہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے سفرِ معراج کی پہلی منزل بھی یہی تھی۔ مسلمانوں کا پہلا قبلہ بھی یہی تھا۔ نہ صرف یہودی اور عیسائی بلکہ مسلمان بھی اس کی بہت عزت کرتے تھے۔

مسلمانوں نے جب بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو شہر کے باشندوں نے دروازے بند کر لیے چند دن محاصرے میں گزار کر انھوں نے مسلمانوں کے سپہ سالار ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ ہم شہر مسلمانوں کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلیفہ خود یہاں آئیں اور صلح کا معاہدہ کریں۔

ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے یہ بات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچائی۔ امیر المؤمنین نے صحابہ سے مشورہ کر کے بیت المقدس کا رُخ کیا۔ دنیا کے بڑے بڑے حکمران جن کا نام

سن کر کانپ اُٹھتے
تھے، ان کے سفر کا حال یہ تھا
کہ ایک غلام کے سوا اُن کے ساتھ
کوئی نہیں تھا۔ فوج نہ خیمے، نقارے نہ
جھنڈے۔ بڑی سادگی سے سفر کیا۔ بیت المقدس کے
قریب جا کر صحابہ نے مشورہ دیا کہ لباس تبدیل کر لیں۔ ایک قیمتی
پوشاک پیش کی گئی لیکن آپ نے وہ لباس پہننے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

"اللہ نے ہمیں جو عزت دی ہے وہ اسلام کی وجہ سے ہے اور ہمارے لیے یہی کافی ہے۔"

غرض اسی حالت میں شہر میں داخل ہوئے۔ عیسائیوں نے شہر آپ کے حوالے کر دیا۔ مسلمانوں نے وہاں ایک مسجد تعمیر کی جس کا نام مسجدِ عمر رکھا گیا۔ یہ مسجد آج بھی وہاں موجود ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران ایک دفعہ عرب میں شدید قحط پڑا۔ نہ تو انسانوں کے کھانے کے لیے کچھ رہا اور نہ جانوروں کے لیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ حال دیکھ کر بہت زیادہ پریشان ہوئے۔ آپ نے رعایا کی خبر گیری کے لیے دن رات ایک کر دیے۔ بیت المال کا سارا غلہ لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ نقدی بھی تقسیم کی گئی۔ تمام صوبوں کے حاکموں کو خط لکھ کر زیادہ سے زیادہ غلہ بھجوانے کا حکم دیا۔ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے شام کے علاقے سے چار ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے بھیجے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر سے سمندر کے راستے غلے سے لدے ہوئے بحری جہاز روانہ کیے۔ ہر جہاز پر چھ ہزار من غلہ لدا ہوا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے غلے کی تقسیم کا انتظام کچھ اس طرح سے کیا کہ قحط کا شکار ہونے والوں کے نام رجسٹروں میں لکھے گئے۔ ہر نام کے ساتھ ان کی ضرورت کے مطابق غلے کی مقدار لکھی گئی۔ پھر ہر شخص کو غلے کی پرچی دی جاتی جس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مہر ہوتی تھی۔ اس قحط کے دوران لوگوں میں غلہ گوشت، کھجوریں اور کپڑے بھی تقسیم کیے گئے۔

قحط کے دوران سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے گوشت، دودھ اور گھی کا استعمال بالکل ترک کر دیا تھا۔ اکثر بھوکے رہتے، یا عام لوگوں کے ساتھ مل کر کھاتے، اس فاقہ کشی کا اثر آپ کے جسم پر بھی پڑا۔ لوگ انھیں دیکھ کر کہتے کہ اگر قحط دور نہ ہوا تو رعایا کا غم انھیں مار ڈالے گا۔ قحط کے دنوں میں سخت بے چین رہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کرتے تھے۔

''اے اللہ! میرے اعمال کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو تباہ نہ کر۔''

آخر ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو اور دوسرے مسلمانوں کو ساتھ لے کر نمازِ استسقاء ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے بڑی عاجزی کے ساتھ بارش کی دعا کی۔ ابھی دعا ہو رہی تھی کہ آسمان پر بادل چھا گئے۔ ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ ہر طرف پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ اس بارش نے خشک کھیتوں میں جان ڈال دی اور قحط دور ہو گیا۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دلی تمنا تھی کہ انھیں شہادت کی موت نصیب ہو اور

یہ شہادت رسول اللہ ﷺ کے شہر ہی میں ملے۔ خلافت کے گیارہویں سال ان کی یہ دونوں دعائیں قبول ہوئیں۔

23 ہجری میں حج کے لیے مکے گئے۔ حج سے واپس لوٹے تو جمعے کے دن مسجد میں خطبہ دیا، جو بہت طویل تھا۔ اس خطبے میں جہاں آپ نے بہت سی نصیحتیں کیں وہاں اپنے ایک خواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''میں سمجھتا ہوں کہ میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے۔''

مدینے میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ایک ایرانی کاریگر غلام ابولؤلؤ فیروز تھا۔ ایک دن اس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اپنے آقا کی شکایت کی کہ وہ کام زیادہ لیتا ہے اور معاوضہ کم دیتا ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے معاملہ کی تحقیق کی تو کہا کہ تمہاری شکایت جائز نہیں، تمہارے کام کے حساب سے معاوضہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس پر ابولؤلؤ ناراض ہوکر چلا گیا۔ اگلے دن ابولؤلؤ فجر کی نماز سے پہلے مسجد میں جا کر چھپ گیا۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے لگے تو اس نے کونے سے نکل کر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر دو دھاری خنجر سے چھ وار کیے۔ پھر دوسرے مسلمانوں کو زخمی کرتا ہوا بھاگا لیکن پکڑا



گیا۔ پکڑے جاتے ہی اس نے اس خنجر کو اپنے پیٹ میں بھونک لیا اور وہیں مر گیا۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہو گئے تھے۔ ایسے میں انھوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا: ''مجھ پر کس نے حملہ کیا ہے؟''

انھوں نے بتایا: ''مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام ابولؤلؤ فیروز نے۔''

یہ سن کر فرمایا: ''اللہ کا شکر ہے، میری موت کسی ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں ہو رہی جو اسلام کا دعویٰ کرتا ہو۔''

لوگ آپ کو اُٹھا کر گھر لائے۔ تمام لوگ غم سے نڈھال تھے۔ ایسے میں کسی نے آپ سے کہا ''امیر المومنین! اللہ کی بشارت سے خوش ہو جائیں، آپ ان اصحاب میں سے ہیں جو بہت پہلے اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی بنے، خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے انصاف سے کام لیا۔

یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کرے یہ چیزیں میرے گناہوں کے برابر ہی ہو جائیں۔ مجھے کوئی عذاب ہو نہ ثواب'' ان کے کہنے کا مطلب تھا کہ بس عذاب سے بچ جاؤں۔

حالت جب زیادہ نازک ہو گئی تو فرمایا:

میں خلافت کا حق دار عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم سے زیادہ کسی کو نہیں سمجھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وفات تک ان سے خوش تھے۔ ان میں سے جسے خلیفہ چن لیا جائے اس کی اطاعت کرنا۔''

پھر اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کے لیے وصیت کی:



”مہاجرین اور انصار سے اچھا سلوک کرنا۔ جو لوگ ہماری پناہ میں آ جائیں ان کی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرنا۔ ان سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرنا۔

آپ نے یکم محرم 24 ہجری کو 63 سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کو شہادت کا رُتبہ ملا۔ آپ کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ دفن کیا گیا۔

آپ کی اولاد میں نو لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں۔ آپ کی بیٹی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں زہد و تقویٰ بہت زیادہ تھا۔ عبادت کا شوق ان کی روح کا حصہ بن چکا تھا۔ نوافل ادا کرتے، روزے رکھتے، قرآن میں قیامت کی آیات پڑھ کر بہت روتے۔ رمضان المبارک میں پورا مہینہ تراویح کی نماز کو آپ ہی نے باجماعت کروایا۔ آپ بہت بہادر تھے، سوائے اللہ کے کبھی کسی سے نہ ڈرتے تھے۔ صبر، برداشت اور تحمل ان کی ذات کا نمایاں حصہ تھے۔ نبی کریم ﷺ سے بے انتہا محبت رکھتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے انھیں دنیا ہی میں جنتی ہونے کی بشارت دے دی تھی۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے فصاحت و بلاغت کی خوبیوں سے بھی

نوازا تھا۔ ان کی زبان سے ہمیشہ حکمت و دانائی ہی کی بات نکلتی تھی۔

آیئے! ہم بھی ان کے چند اقوال کا مطالعہ کریں۔



* جس سے تمہیں نفرت ہے اس سے محتاط بھی رہو۔
* جو خود کو جنتی کہے وہ جہنمی ہے۔
* توبہ کی تکلیف سے گناہ چھوڑنا آسان ہے۔
* بزرگ بننے کے لیے علم حاصل کرو۔
* جو آدمی خود کو عالم کہے وہ جاہل ہے۔
* بڑھاپے سے پہلے جوانی اور موت سے پہلے بڑھاپے کو غنیمت سمجھو۔
* سلامتی گمنامی میں ہے۔
* کم بولنا دانائی، کم کھانا صحت، کم سونا عبادت اور عام لوگوں سے کم ملنا عافیت ہے۔
* سب سے بُری آوازیں دو ہیں: نوحہ اور راگ۔
* بُرا چاہنے والے کی دوستی سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔
* جو عیب سے آگاہ کرے وہ دوست ہے اور جو عیب پر تعریف کرے وہ ایسا ہے جیسے دوسرے کو ذبح کر رہا ہو۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

تلخی کو............مٹھاس میں بدل سکتا ہے
سختی کو............نرمی میں بدل سکتا ہے
جھوٹ کو......سچ میں بدل سکتا ہے اور
اندھیرے کو............روشنی میں بدل سکتا ہے
بھلا کون؟......صرف حق کا پیغام!
وہ دلیر بھی تھے اور سخت مزاج بھی
وہ دانا بھی تھے اور فصیح و بلیغ بھی
وہ شاعر بھی تھے اور عالم بھی
محنتی بھی تھے اور جفاکش بھی
لیکن گمراہی کے راستے پر تھے
جب ان کی زندگی کے سارے راستے
سچائی کی روشنی سے جگمگا اُٹھے
تو حق ایک نئی عزیمت اور قوت سے اُبھرا
اپنے اوصاف سے انھوں نے حق کا دامن اور بھی زرخیز کر دیا
پھر جب دنیا نے ان کے سر پر امارت کا تاج رکھ دیا تو
انھوں نے اس ذمہ داری کو ایسے نبھایا کہ آج تک......
اس کی مثال نہیں ملتی۔
اس کتاب کو پڑھنے کے بعد......آپ کا دل بھی اس بات کی گواہی دے گا۔

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیو یارک
DARUSSALAM
ISBN 9960-732-01-8
9789960732015